14

نوجوانوں کی ایسے رنگ میں تربیت کریں جس سے وہ سلسلے کے لئے مفید وجود بن سکیں

(فرمودہ 2 مئی 1952ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''جماعتیں عمارت کے طور پر ہوتی ہیں جن میں مختلف حصے مختلف ضرورتوں کو پورا کر رہے ہوتے ہیں۔ جس طرح مکان کی کوئی چیز بھی خراب ہو تو مکین کے لئے تکلیف کا موجب ہوتی ہے اِسی طرح اگر جماعتوں کا کوئی حصہ ناقص ہو تو ساری جماعت اُن سے محروم ہو جاتی ہے۔ خصوصاً جو جماعتی ادارے ہوتے ہیں اُن کی خرابی کے ساتھ جماعت کے تمام نظام میں خرابی آ جاتی ہے۔ ہماری جماعت مختلف قسم کے کام کر رہی ہے۔ کوئی محکمہ مال کا ہے، کوئی تعلیم کا ہے، کوئی امور عامہ کا ہے، کوئی امور خارجہ کا ہے، کوئی تصنیف کا ہے، کوئی تبلیغ کا ہے، کوئی زراعت کا محکمہ ہے، کوئی تربیت کا محکمہ ہے، کوئی اشاعت کا محکمہ ہے۔ یہ محکمے اپنی اپنی جگہ پر نہایت ہی اہم ہیں اور ہر ایک محکمہ عمارت کے ایک حصہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جیسے مکان میں کوئی سونے کا کمرہ ہوتا ہے، کوئی نہانے کا ہوتا ہے، کوئی پاخانے کا ہوتا ہے، کوئی سٹور کا ہوتا ہے، کوئی بیٹھنے کا ہوتا ہے، کوئی کھانے کا ہوتا ہے، ان میں سے کسی میں بھی خلل آ جائے تو گھر والے بے چینی محسوس کرتے ہیں اور ان کا امن خراب ہو جاتا ہے۔ کھانے کے کمرے میں خرابی آ جائے تو اتنے دن جن کو کمرہ میں بیٹھ کر کھانا کھانے کی عادت ہوتی ہے بے چین سے رہتے ہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ۔ بچے

الگ بڑبڑاتے ہیں اور بڑے الگ تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ادنیٰ سے ادنیٰ کمرہ پاخانہ کا سمجھا جاتا ہے وہ خراب ہو جاتا ہے تو سارے گھر والوں کو تکلیف ہو جاتی ہے۔بعض پاخانہ روکنے کی وجہ سے بیمار ہو جاتے ہیں اور بعض شرم وحیا کی وجہ سے دوسری جگہ قضائے حاجت نہیں کر سکتے اور اس طرح تکلیف محسوس کرتے ہیں۔غرض ایک ایک کمرہ اپنی جگہ پر ضروری ہوتا ہے۔اِسی طرح ایک ایک محکمہ جو ضرورت کے مطابق جماعت بناتی ہے اُن میں سے کسی ایک کو توڑ دو تو سارا نظام خراب ہو جائے گا۔اگر باہمی جھگڑے اور تنازُع دُور کرنے اور ایک دوسرے کے حقوق دلوانے والے محکمہ میں خرابی آ جائے تو لازماً تربیت کا محکمہ کمزور ہو جائے گا۔لوگوں کے اندر شبہات پیدا ہوں گے، شکوے پیدا ہوں گے، بے چینی پیدا ہوگی اور تربیت والوں کا کام اِس حد تک بڑھ جائے گا کہ ان کا محکمہ جو عام حالات کے لئے بنایا گیا ہے اس کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ پھر جماعت کے لوگوں میں تشویش پیدا ہونے کی وجہ سے وہ اپنے وقت کو صحیح طور پر استعمال نہیں کر سکیں گے۔ جو لوگ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرتے رہیں گے وہ لازماً تبلیغ نہیں کر سکیں گے۔اگر وہ اچھے تاجر یا اچھے زمیندار یا اچھے عہدیدار ہیں تو اِن جھگڑوں کی وجہ سے وہ اپنی کمائی کی طرف زیادہ توجہ نہیں کر سکیں گے۔اور جب ان کی کمائی کم ہوگی تو سلسلے کے چندے کم ہو جائیں گے اور مرکزی کام رُکنے لگیں گے۔تو بظاہر اس محکمہ کا جماعت کی ترقی سے کوئی تعلق نہیں لیکن حقیقتاً اگر دیکھا جائے تو بڑا تعلق ہے۔اسی طرح اگر تربیت کے محکمہ میں نقص ہو گا تو جماعت کی اخلاقی حالت کے گرنے کی وجہ سے تبلیغ مشکل ہو جائے گی۔لوگ کہیں گے تم ہمیں کیا کہتے ہو۔تم میں تو یہ یہ خرابی پائی جاتی ہے۔ پھر امور عامہ کا کام بھی بہت بڑھ جائے گا کیونکہ جب اخلاقی تربیت نہیں ہوگی تو جھگڑے بہت بڑھ جائیں گے۔غرض تربیت کی کمی کی وجہ سے اگر جھگڑے بڑھ جائیں تو امور عامہ جو عام حالات کے مطابق بنایا گیا تھا اپنے کام میں کمزور ہو جائے گا اور اس طرح جماعت پر ایک بُرا اثر پڑے گا۔تعلیم کا بھی یہی حال ہے۔اگر تعلیم صحیح طور پر نہیں دی جائے گی جس کا تربیت ایک جزو ہے تو جماعت کا علمی معیار گر جائے گا۔ علمی معیار کے گر جانے کی وجہ سے اس کی تمدنی حالت گر جائے گی۔اسی طرح اس کی مالی حالت گِر جائے گی۔تعلیم کی کمی کی وجہ سے لوگ اچھے عُہدوں پر نہیں جا سکیں گے۔اور جب تعلیم میں کمی ہوگی تو تبلیغ میں بھی لازماً کمی آ جائے گی۔غرض ہر محکمہ آپس میں اِس طرح ملا ہوا ہے جس طرح

عمارت کا ایک حصہ اُس کے دوسرے حصہ سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ایک حصہ کوخراب کر دوتو باقی حصے بھی خراب ہونے لگیں گے۔ اِس لئے جماعت کے ہر محکمہ کو اپنی اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے اپنے کام کو بہتر بنانا چاہیے۔اِس وقت بعض محکموں کی ایسی حالت ہے کہ اگر اُن کو توڑ دیا جائے یا اُن کا عملہ موجودہ تعداد سے کم کر دیا جائے تو کچھ بھی فرق پیدا نہیں ہوگا۔ان کے بند ہو جانے پر بھی کام اِسی طرح چلتا رہے گا جس طرح پہلے چل رہا ہے۔حالانکہ زندگی کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اگر کسی محکمہ کو بند کر دیا جائے تو سارا کام خراب ہو جائے۔ جیسے بیت المال کا محکمہ ہے۔اس کے بند کرتے ہی سارے کام بند ہو جائیں گے۔یہی بات ہر دوسرے محکمہ میں ہونی چاہیے۔یہی بات تصنیف کے محکمہ میں بھی ہونی چاہیے۔یہی بات اشاعت کے محکمہ میں بھی ہونی چاہیئے کہ ان کے کام کے بند ہونے کے ساتھ ہی جماعت کے سارے کام بند ہو جائیں۔یہی بات تعلیم کے محکمہ میں بھی ہونی چاہیئے۔یہی بات امور عامہ کے محکمہ میں بھی ہونی چاہیئے۔

اِس وقت درحقیقت ساری جماعت کی ذمہ داری صرف دو محکموں پر ہے۔ایک محکمہ مال پر اور ایک محکمہ تبلیغ پر۔ باقی محکموں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی کمرہ کی دیواریں چھوٹی ہوں اور اُس کی چھت ہوا میں معلّق ہو جس کے گرنے کا ہر وقت خطرہ ہو۔کیونکہ وہ محکمے اپنی ضرورت کو پورا نہیں کر رہے۔موٹا محکمہ تعلیم کا ہے۔ ہمارے ہاں اب کئی ہائی سکول ہیں، دینیات کے سکول ہیں، کالج ہے، تین تو ہائی سکول ہی ہیں۔ایک زنانہ اور دو مردانہ۔ایک سیالکوٹ میں اور دو ربوہ میں۔ ایک کالج ہے لاہور میں۔ اس کے علاوہ کئی مڈل سکول ہیں، پرائمری سکول ہیں۔ یہ سارے محکمہ تعلیم کی عمارت ہیں۔ بے شک یہ سکول تھوڑے ہیں لیکن بہرحال جب جماعت نے ان کو قائم کیا ہے تو اس نے ان کی ضرورت کو سمجھا اور ان کے مقصد کو تسلیم کیا ہے۔ پھر ہمارے سکولوں اور کالجوں کی نگرانی کرنے والا ایک ذمہ دار ادارہ ہے جس کا کام یہ ہے کہ وہ جماعتی رنگ میں نوجوانوں کی تعلیم کے بارہ میں مدد دے اور ان کے نشو ونما میں حصہ لے۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جو نوجوان نکل رہے ہیں اُن میں دین کا وہ مادہ نہیں پایا جاتا جو پرانے آدمیوں میں پایا جاتا ہے۔ پرانے آدمی قربانی میں بہت زیادہ ہیں اور نئے آدمی ابھی ان سے بہت پیچھے ہیں۔ ایک بڑھنے والی جماعت جس میں باہر سے لوگ آکر مل رہے ہوں اُسی صورت میں ترقی کر سکتی ہے جب اُس میں پیدا ہونے والے نوجوان پہلوں سے زیادہ قربانی کرنے والے ہوں۔اگر

باہر سے شامل ہونے والوں کو نظر انداز کر دو تب بھی اولاد کے ذریعہ ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے ترقی کر رہی ہے۔ عام طور پر ایک ایک آدمی کے تین تین چار چار بچے ہوتے ہیں۔ اگر پچھلے کو ایک قرار دیا جائے تو آنے والوں کو ہم تین چار ضرور کہیں گے یا کم سے کم دو گنے ضرور ہوں گے۔ پھر ملک کی اقتصادی حالت جس طرح ترقی کر رہی ہے اُس کو مدنظر رکھتے ہوئے یقیناً پچھلا شخص اگر دس روپے کماتا ہے تو اگلا بیس روپے کمائے گا۔ پس اگر ایک شخص کے دو بیٹے ہوں تو سمجھنا چاہیئے کہ باپ اگر دس کماتا تھا تو بیٹے چالیس کمائیں گے۔ گویا ان کی قربانی پہلوں سے کم سے کم چار گنا ہونی چاہیے۔ مگر تحریک جدید کے چندہ کو لے لو تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ پہلے لوگ جو تھے اُنہوں نے تین لاکھ تک اِس چندہ کو پہنچایا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ نئے آدمیوں کو اِس حساب سے بارہ لاکھ تک چندہ پہنچانا چاہیئے تھا مگر ان کا چندہ ایک لاکھ چالیس ہزار تک پہنچا ہے۔ گویا دفتر دوم میں شامل ہونے والے پہلوں سے قریباً نواں حصہ قربانی کر رہے ہیں۔ اگر ان کی مالی حالت کی زیادتی کو دیکھا جائے، اگر ان کی تعداد کی زیادتی کو دیکھا جائے اور پہلوں کے مقابلہ پر اسے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ نواں حصہ قربانی کر رہے ہیں۔ گویا وصیت جس کو اموال بڑھانے کا ذریعہ قرار دیا گیا تھا وہ وصیت والا طریق اولاد نے اِس رنگ میں اختیار کر لیا ہے کہ باپ جتنی قربانی کرتا تھا بیٹا اُس کا نواں حصہ قربانی کرتا ہے۔ اس کی ذمہ داری یقیناً ہمارے سکولوں اور کالج پر ہے۔ اگر وہ نوجوانوں میں صحیح روح پیدا کرتے، اگر وہ سلسلہ سے تعاون کرتے اور کوشش کرتے کہ ان میں پہلوں سے زیادہ قربانی کا مادہ پیدا ہو تو یہ نتیجہ کبھی پیدا نہ ہوتا۔ ظاہر ہے کہ ہمارے سکولوں اور کالج نے صرف اتنا سمجھ لیا ہے کہ نتیجے اچھے دکھا دو۔ وہ بھی کوئی خاص طور پر اچھے نہیں۔ لیکن اگر ہم نے نتائج ہی اچھے دکھانے ہیں تو پھر جماعت کو ان پر اِس قدر روپیہ خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جتنا احمدی طالب علم ہمارے سکولوں اور کالج میں پڑھتا ہے اِس سے کئی گنا زیادہ احمدی لڑکا دوسرے کالجوں اور سکولوں میں تعلیم پاتا ہے۔ اگر نو لڑکے دوسرے سکولوں میں پڑھ رہے ہیں اور ایک لڑکا ہمارے سکول میں پڑھ رہا ہے تو ایک بھی دوسرے سکول میں پڑھ سکتا ہے اس پر ہزاروں روپیہ سالانہ جماعت کو خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہماری غرض تو یہ تھی کہ اس طرز پر جماعت کے نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ جماعتی اور ملّی روح سے بھرا جائے۔ اور جب اس تجربہ کی بناء پر ان کے اخلاص اور ان کی قربانی میں ترقی ہو تو

پھر اَور کالج اور سکول قائم کئے جائیں۔ یہاں تک کہ ہماری جماعت کے نوجوان جو اپنے کالجوں اور سکولوں میں تربیت حاصل کر چکے ہوں اُن میں ایک نیا ایمان اور نئی قوت اور نئی تازگی پیدا ہو جائے۔ ورنہ صرف درسی کتب کی تعلیم کے لئے نہ ہمیں سکولوں کی ضرورت ہے نہ کالج کی۔ دنیا میں سینکڑوں سکول اور کالج موجود ہیں اُن میں ہماری جماعت کے طلباء بھی پڑھ سکتے ہیں اور ہمیں کوئی ضرورت نہیں رہتی کہ ہم ان اداروں پر ہزاروں روپیہ سالانہ خرچ کریں۔

پس آج میں اپنے تعلیمی اداروں اور مرکزی محکمہ تعلیم کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے پروگرام کو ایسی طرز پر بنائیں کہ ان کے سکولوں کا باقی جماعت کو فائدہ ہو اور ان کے سکولوں سے نکلے ہوئے لڑکے دوسرے لوگوں کی قربانی سے پندرہ بیس گُنے زیادہ قربانی کرنے والے ہوں۔ اگر نظارت تعلیم ایسی لسٹ پیش کرے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ ان کے سکولوں سے فارغ ہونے والے نوجوان پہلوں سے زیادہ ترقی یافتہ، پہلوں سے زیادہ ہمت والے، پہلوں سے زیادہ بلند حوصلوں والے، پہلوں سے زیادہ قربانی اور ایثار سے کام لینے والے اور پہلوں سے زیادہ بوجھ برداشت کرنے والے ہیں تو پھر بے شک یہ امر ہماری خوشی کا موجب ہوسکتا ہے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ دکھا سکیں تو پھر جماعت پچاس ہزار سکول پر اور ایک لاکھ کالج پر کیوں خرچ کرے۔ کیوں نہ یہ روپیہ تبلیغ پر ہی صَرف کیا جائے تا کہ نئے آنے والے نیا جوش اور نیا خون لے کر آئیں اور اُن کے اندر قربانی کا وہ جذبہ ہو جو نومسلموں کے اندر پایا جاتا ہے۔ جب تک ہمارے سکولوں اور کالجوں سے نکلنے والے نومسلموں والا اخلاص اپنے اندر نہیں رکھتے اُس وقت تک وہ محض بیکار ہیں۔ اگر انہوں نے پیدائشی احمدیوں والا رنگ ہی رکھنا ہے تو پھر ضرورت کیا ہے کہ ان کے لئے اتنا روپیہ خرچ کیا جائے۔ پس ان کو اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ بہت سا طالب علم ان کے قبضہ میں ہوتا ہے اور وہ اگر چاہیں تو آسانی سے ان میں نمازوں کی عادت پیدا کر سکتے ہیں، انہیں محنت کا عادی بنا سکتے ہیں، ان میں دیانت اور امانت پیدا کر سکتے ہیں اور انہیں سچائی کا عادی بنا سکتے ہیں۔

میں نے ایک دفعہ سکول کے طلباء سے پوچھا کہ بتاؤ تم میں سچ بولنے والے کتنے ہیں؟ تو اِس پر بہت کم نوجوانوں کی تعداد نکلی جنہوں نے اقرار کیا کہ وہ ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ پھر میں نے پوچھا کہ تم میں سے جو سچ نہیں بولتے کیا تم اُن کا معاملہ کبھی سلسلہ کے نوٹس میں بھی لائے ہو یا نہیں؟

اِس پر بھی بہت کم طلباء نے اس کا اقرار کیا۔ حالانکہ یہ چیز ہماری جماعت میں ایک معیاری رنگ رکھتی تھی۔ لوگ سمجھتے تھے کہ جو شخص احمدی ہے وہ جھوٹ نہیں بول سکتا۔ مگر اب اِس میں کمی آتی جارہی ہے۔ اور اس کی ذمہ داری بڑی حد تک تعلیمی اداروں پر ہے۔ اگر ایک استاد لمبے عرصہ تک ایک طالب علم کے ساتھ رہتا ہے تو میری سمجھ میں تو نہیں آسکتا کہ اُس کو لڑکے کی کمزوری کا علم کیوں نہیں ہوسکتا۔ یہ بات تو تھوڑے سے تجربہ میں ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ لڑکوں کی شکایات پر اساتذہ کو اکثر جواب طلبی کرنی پڑتی ہے۔ اس جواب طلبی میں اُن کو فوراً پتا لگ سکتا ہے کہ کون لڑکا جھوٹ بولتا ہے۔ اور پھر اگر وہ کوشش کریں تو اس کی اصلاح بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن جب جھوٹا آدمی یہ سمجھے کہ میرے افعال کو ناپسند نہیں کیا جاتا تو وہ اپنی اصلاح سے غافل ہو جاتا ہے۔ پس سچائی کی عادت اور محنت اور قربانی کی عادت نوجوانوں میں پیدا کرنی چاہیے۔

نئے کارکن جو ہمارے سلسلہ میں آتے ہیں اُن کے متعلق بھی افسر یہی شکایت کرتے ہیں کہ وہ محنت نہیں کرتے۔ اِسی طرح دیانت میں بھی ان کا پہلو کمزور ہوتا ہے۔ پچھلے دنوں تین واقفینِ زندگی پر یہ الزام لگے کہ انہوں نے دیانت سے کام نہیں کیا اور سلسلہ کا روپیہ غبن کیا ہے۔ اور یہ واقعات دو تین مہینہ کے اندر اندر ہو گئے ہیں۔ بے شک اِس کی ذمہ داری اُن افراد پر بھی ہے لیکن اِس کی بڑی ذمہ داری سکول کے اساتذہ، ہیڈ ماسٹر اور ناظر تعلیم پر آتی ہے۔ کیونکہ نوجوانوں کے اخلاقی معیار کو بلند کرنا ہی ہمارے سکولوں کا اصل کام ہے۔ ورنہ دوسرے سکول بھی چل رہے ہیں اور ہماری جماعت کے لڑکے اگر چاہیں تو ان میں بھی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں۔ جماعت کے لڑکوں کی تعلیم کے لئے الگ درسگاہیں کر لینے کا مقصد یہی ہے کہ احمدیت کے ماحول میں ان کی تربیت کی جائے۔ اور اگر غور کیا جائے تو کسی کے متعلق یہ معلوم کرنے میں کوئی دقت ہی نہیں ہوتی کہ وہ جھوٹ بولتا ہے یا سچ بولتا ہے۔ بعض اساتذہ اِس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر ہم نے لڑکوں پر سختی کی تو وہ بھاگ جائیں گے۔ میں اِسے بھی بیوقوفی سمجھتا ہوں۔ لڑکے کی عمر ایسی ہوتی ہے جس میں ایک حد تک سختی اُس پر کی جاسکتی ہے اور اس پر کسی عقلمند کو اعتراض نہیں ہوسکتا۔ یہ نادانی ہوتی ہے کہ جب اساتذہ سے پوچھا جائے تو ان میں سے بعض یہ جواب دے دیتے ہیں کہ ہم نے یہ سمجھا تھا کہ اگر ہم نے سختی کی تو ماں باپ ناراض ہو جائیں گے یا لڑکے سکول سے

چلے جائیں گے۔ اگر کوئی لڑکا جھوٹ بولتا ہے، اگر وہ محنت نہیں کرتا، اگر وہ دیانت سے کام نہیں لیتا اور تم اُس پر سختی کرتے ہو تو تمہاری سختی کا یہی نتیجہ نکلے گا کہ یا تو وہ اپنی اصلاح کر لے گا اور یا سکول سے الگ ہو جائے گا۔ اگر وہ اصلاح کر لے گا تو یہ ہمارے لئے خوشی کا موجب ہوگا اور اگر وہ نکل جائے گا تو باقی لڑکے اُس کے گندے اثر سے بچ جائیں گے۔

اصل بات یہ ہے کہ لڑکوں کی اصلاح انفرادی نگرانی کے بغیر کبھی نہیں ہوسکتی۔ بچوں کی تعلیم اور اُن کی تربیت کی مثال ایسی ہی ہے جیسے باغ لگانا ہوتا ہے۔ ہمارے خاندان میں باغ لگانے کا شوق ورثہ کے طور پر آیا ہے اور میں نے ہمیشہ دیکھا ہے کہ جب بھی کوئی مالی پودوں کی اصلاح کے لئے انفرادی توجہ نہیں کرتا باغ تباہ ہو جاتا ہے۔ اور جب توجہ دلائی جائے اور اُسے پکڑا جائے تو وہی درخت جو پہلے مر رہے ہوتے ہیں بچنے لگ جاتے ہیں۔ میں جب بھی باغ میں جاتا ہوں مالیوں سے یہی کہا کرتا ہوں کہ جو اچھا درخت ہے وہ تمہاری توجہ کا مستحق نہیں۔ تمہاری توجہ کا مستحق وہ درخت ہے جو بیمار ہے۔ ایسے درختوں پر نشان لگاؤ اور روزانہ ان کی نگہداشت کرو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی ایسا مالی ملتا ہے جو محنت کے ساتھ کام کرنے کا عادی ہوتا ہے تو اس توجہ دلانے کے نتیجہ میں وہ پودے ترقی کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور جب کوئی ایسا مالی ملتا ہے جو اس رنگ میں کام کرنے کا عادی نہیں ہوتا تو وہ ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ دیکھئے فلاں درخت کیسا اچھا ہے، فلاں کیسا اچھا ہے۔ میں کہا کرتا ہوں یہ تو قدرتی طور پر اچھا ہے تمہارا کام یہ ہے کہ تم بیمار پودوں کے متعلق بتاؤ کہ تم ان کے متعلق کیا کر رہے ہو۔ اچھوں کو اپنے کام کی عمدگی کے ثبوت میں پیش کر دینا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی ہسپتال میں جائے اور کہے دیکھئے اس ڈاکٹر کی صحت کیسی اچھی ہے، یہ نرس کیسی مضبوط ہے، یہ کمپونڈر کیسا تندرست ہے اور بیماروں کا ذکر بھی نہ کرے۔ حالانکہ اگر وہ اچھے ہیں تو اس سے ہسپتال کے اچھا ہونے کا کوئی ثبوت نہیں مل سکتا۔ ہسپتال کا اچھا ہونا اِس بات پر موقوف ہے کہ بیماروں کے متعلق بتایا جائے کہ ان میں سے کتنے تندرست ہوئے ہیں۔ اس طرح اساتذہ کا یہ کام ہے کہ وہ یہ بتائیں کہ اتنے لڑکوں میں سچائی کی عادت نہیں پائی جاتی تھی ہم نے ان کو سچائی کا پابند بنایا۔ اتنے لڑکوں میں ہم نے دیانت پیدا کی، اتنے لڑکوں کو ہم نے محنت کا عادی بنایا۔ یہ کہنا کہ ہمیں پتا نہیں لگتا بالکل غلط بات ہے۔ اگر ایک سکول کے بیس پچیس اساتذہ کو بھی پتا نہیں لگتا کہ ان کے لڑکوں کی اخلاقی حالت کیسی ہے تو اِس کے معنی یہ ہیں کہ وہ

نابینا ہیں۔ جھگڑوں کے وقت بڑی آسانی سے پتا لگ جاتا ہے کہ کون سچ بولنے کا عادی ہے اور کون جھوٹ بولتا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ بعض اساتذہ بھی جنبہ داری سے کام لیتے ہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لڑکے جن کے وہ طرفدار ہوتے ہیں وہ جھوٹ بھی بولتے ہیں تو انہیں سچ معلوم ہوتا ہے۔ اور جن کے خلاف ان کی رائے ہوتی ہے وہ سچ بھی بولتے ہیں تو انہیں جھوٹ نظر آتا ہے۔ پس یہ ان کا ذاتی نقص ہے کیونکہ جنبہ داری کا مرض انسان کو نابینا بنا دیتا ہے۔ استاد کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اُس کا کسی کے ساتھ کوئی خاص جوڑ نہ ہو۔ چاہے کوئی اُس کا بھائی ہو، عزیز ہو، اس کے دوست کا بیٹا ہو سب کو ایک نگاہ سے دیکھے۔ اگر وہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھے گا تو اُس کی نظر تیز ہو جائے گی اور وہ آسانی سے پتا لگا لے گا کہ فلاں میں غفلت کی عادت ہے، فلاں میں جھوٹ کی عادت ہے، فلاں میں بددیانتی کی عادت ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی ذمہ داری ایک حد تک ماں باپ پر بھی ہے۔ ان کا بھی فرض ہے کہ اپنے لڑکوں کی تربیت کے سلسلہ میں اساتذہ سے تعاون کریں۔ یورپ میں تو یہ طریق ہے کہ جب کوئی زیادہ بیمار ہو جائے تو اُس کا معالج ڈاکٹر کہتا ہے کہ اب فلاں ڈاکٹر سے مل کر مشورہ کرتا ہوں تا کہ بیمار کے لئے مناسب علاج تجویز کیا جا سکے۔ اِسی طرح اساتذہ کا فرض ہے کہ جب وہ دیکھیں کہ ان کی کوششیں کامیاب نہیں ہو رہیں تو وہ اُن کے ماں باپ سے مشورہ کریں اور ان کی اصلاح کی تدابیر سوچیں۔ مگر یہ طریق صرف اُن لڑکوں کے متعلق اختیار کیا جا سکتا ہے جو بورڈنگ میں نہیں رہتے۔ جو لڑکے بورڈنگ میں رہتے ہیں ان کی تو سو فیصدی ذمہ داری اساتذہ اور نگران عملہ پر ہی عائد ہوتی ہے۔ یہی ضرورت میں سمجھتا ہوں دینیات کے مدارس میں بھی ہے وہاں بھی یہی غفلت پائی جاتی ہے۔ لڑکے تعلیم پا رہے ہوتے ہیں اور ہم یہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ بیس مبلغ تیار ہو جائیں گے۔ مگر ہوتا یہ ہے کہ بیس بے دین یا بیس نکمّے یا بیس ناکارہ یا بیس جاہل پیدا ہو جاتے ہیں۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ مدرسہ احمدیہ کے متعلق مجھے شکایت پہنچی کہ فلاں فلاں علوم مدرسہ میں پڑھائے جاتے ہیں۔ مگر اساتذہ نے ابھی کورس کی کتابوں کے صرف چند صفحات ہی پڑھائے ہیں اور سال ختم ہو گیا ہے۔ مثلاً اگر سو صفحہ کتاب کا تھا تو اساتذہ نے سارے سال میں صرف دس بیس صفحے پڑھائے تھے۔ میں نے لڑکوں کو بلایا اور ان سے باتیں کیں۔ انہوں نے کہا بات ٹھیک ہے۔

استاد باتیں کرتے رہتے ہیں اور پڑھائی رہ جاتی ہے۔ اس کے بعد میں نے اساتذہ کو بلایا اور ان سے دریافت کیا تو میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ بعض اساتذہ نے آگے بڑھ بڑھ کر یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ ٹھیک ہے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں کرنی بھی ضروری ہوتی ہیں اور اس طرح اتنا ہی پڑھایا جا سکتا تھا زیادہ نہیں پڑھایا جا سکتا تھا۔ گویا بجائے اِس کے کہ وہ اپنے فعل پر پردہ ڈالتے اُنہوں نے بڑی عمدگی اور دلیری سے تسلیم کیا کہ اِدھر اُدھر کی باتیں بھی ہوتی ہیں اور اس طرح اصل پڑھائی رہ جاتی ہے۔ حالانکہ استاد کا نہ صرف یہ کام ہے کہ وہ اپنے کورس کو پورا کرے بلکہ اُس کا یہ بھی کام ہے کہ وہ زائد سٹڈی کروائے۔ کوئی طالب علم صحیح طور پر تعلیم حاصل نہیں کر سکتا جب تک اُس کا مطالعہ اِس قدر وسیع نہ ہو کہ وہ اگر ایک کتاب مدرسہ کی پڑھتا ہو تو دس کتابیں باہر کی پڑھتا ہو۔ باہر کا علم ہی اصل علم ہوتا ہے۔ استاد کا پڑھایا ہوا علم صرف علم کے حصول کے لئے مُمِد ہوتا ہے، سہارا ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ اس کے ذریعہ وہ سارے علوم پر حاوی ہو سکے۔ دنیا میں کوئی ڈاکٹر، ڈاکٹر نہیں بن سکتا اگر وہ اُتنی ہی کتابیں پڑھنے پر اکتفاء کرے جتنی اُسے کالج میں پڑھائی جاتی ہیں۔ دنیا میں کوئی وکیل، وکیل نہیں بن سکتا اگر وہ صرف اُتنی کتابوں پر ہی انحصار رکھے جتنی اُسے کالج میں پڑھائی جاتی ہیں۔ دنیا میں کوئی مبلغ، مبلغ نہیں بن سکتا اگر وہ صرف اُنہی کتابوں تک اپنے علم کو محدود رکھے جو اُسے مدرسہ میں پڑھائی جاتی ہیں۔ وہی ڈاکٹر، وہی وکیل اور وہی مبلغ کامیاب ہو سکتا ہے جو رات اور دن اپنے فن کی کتابوں کا مطالعہ رکھتا ہے اور ہمیشہ اپنے علم کو بڑھاتا رہتا ہے۔ پس جب تک ریسرچ ورک کے طور پر نئی نئی کتابوں کا مطالعہ نہ رکھا جائے اُس وقت تک لڑکوں کی تعلیمی حالت ترقی نہیں کر سکتی۔

مجھے تعجب آتا ہے کہ آجکل دینیات کے مدرِّس بھی انگریزی سکولوں اور کالجوں کی نقل میں تعلیم کے لئے پانچ پانچ اور چھ چھ گھنٹے کے الفاظ استعمال کرنے لگ گئے ہیں۔ حالانکہ ہمارے پرانے اساتذہ جو دینیات پڑھایا کرتے تھے وہ دس دس بارہ بارہ گھنٹے پڑھاتے چلے جاتے تھے۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ پانچ چھ گھنٹے مسلسل پڑھاتے ہیں تب بھی تربیت کے لئے ان کے پاس بڑا کافی وقت بچ سکتا ہے۔ کیونکہ انکی کتابیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں بار بار بدلا نہیں جاتا۔ سکولوں اور کالجوں کا کورس اکثر بدلتا رہتا ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے فلاں مصنف کی کتابیں پڑھاؤ اور کبھی کہا جاتا ہے فلاں کی۔ لیکن دینیات کا اکثر کورس ایسا ہوتا ہے جس کو ہم بدل ہی نہیں سکتے۔

کالجوں میں تو یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں مصنف کی کتاب نہ پڑھاؤ فلاں کی پڑھاؤ وہ زیادہ اچھی ہے۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اب قرآن پڑھانا چھوڑ دو یا حدیث پڑھانا چھوڑ دو اور ان کی بجائے فلاں فلاں کتابیں پڑھاؤ۔ پس جبکہ دینیات کا کورس بدلا نہیں جاتا اور ساری عمر اساتذہ کو قرآن ہی پڑھانا پڑتا ہے یا حدیثیں ہی پڑھانی پڑتی ہیں تو ان کے ذہن میں تو یہ علوم اِس قدر راسخ ہونے چاہئیں کہ سب باتیں اُنہیں زبانی یاد ہوں۔ بے شک نئی نئی تحقیقاتیں بھی ہوتی ہیں لیکن جہاں تک طالب علموں کا تعلق ہے اُن کو پڑھانے والی باتیں اساتذہ کو حفظ ہونی چاہئیں۔ اِسی طرح حدیث ہے۔ اس میں بے شک باریک اور نازک مسائل کی بحث بھی آتی ہے لیکن حدیث کے موٹے موٹے مسائل دو تین سال میں اُستاد کو اِس طرح حفظ ہو جانے چاہییں کہ اگر کتاب اُس کے سامنے نہ ہو تب بھی وہ بلا دریغ ان کو پڑھاتا چلا جائے۔ ہم بچپن میں پڑھا کرتے تھے تو ہمارے جغرافیہ کے ایک استاد تھے میں اُن کا نام نہیں لیتا وہ یہ دکھانے کے لئے کہ انہیں جغرافیہ میں کتنا کمال حاصل ہے کہا کرتے تھے کہ نقشہ لٹکاؤ۔ میں آنکھیں بند کر کے کھڑا ہو جاتا ہوں۔ تم کسی شہر کا نام لو میں اپنے پاؤں کے اشارہ سے تمہیں بتا دوں گا کہ وہ فلاں جگہ شہر ہے۔ چنانچہ ہم اِسی طرح کرتے وہ آنکھیں بند کر کے دوڑتے ہوئے آتے اور پَیر اٹھا کر وہاں لگا دیتے۔ مگر بچپن کی عمر شرارتی ہوتی ہے۔ جب وہ کہتے کہ کسی شہر کا نام لو تو بعض لڑکے کسی ایسے شہر کا نام لے دیتے جو نقشہ میں بہت اونچا ہو۔ مثلاً ولاڈی واسٹک [1] (Vladivostok)۔ اب ولاڈی واسٹک نقشہ کے اوپر کی جہت میں ہے۔ جب وہ استاد یہ لفظ سن کر دَوڑ کر نقشہ کی طرف آتے تو بعض دفعہ جوش سے پاؤں اٹھانے کی وجہ سے وہ گر جاتے اور لڑکے ہنسنے لگ جاتے۔ بہرحال اُن میں یہ کمال تھا کہ وہ آنکھیں بند کر کے آتے اور شہر بتا دیتے۔ چونکہ سکولوں کا جغرافیہ ایک محدود مضمون ہے اور وہی اساتذہ کو بار بار پڑھانا پڑتا ہے اس لئے دو تین سال کے بعد انہیں ان مضامین کی تیاری کے لئے کوئی ذہنی کوفت برداشت نہیں کرنی پڑتی اور ان کے پاس کافی وقت اپنے مطالعہ کو وسیع کرنے اور طلباء کی نگرانی کرنے کے لئے بچ جاتا ہے۔

پس میں اِس خطبہ کے ذریعہ سکولوں اور کالجوں اور دینیات کے کالجوں اور ان کے اساتذہ کو اِس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ انہیں زیادہ سے زیادہ طلباء کی نگرانی کرنی چاہیے اور ان کے اندر محنت کی عادت اور قربانی اور ایثار کی عادت پیدا کرنی چاہیے۔ اگر افراد میں محنت اور

قربانی کی عادت پیدا ہو جائے تو چھوٹی جماعت بھی بڑی جماعتوں پر غالب آ جایا کرتی ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کَمۡ مِّنۡ فِئَةٍ قَلِيۡلَةٍ غَلَبَتۡ فِئَةً كَثِيۡرَةًۢ بِاِذۡنِ اللّٰهِ 2 دنیا میں کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہوئی ہیں جو بڑے بڑے گروہوں پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے غالب آ گئی ہیں۔ اِس غلبہ کی وجہ یہی تھی کہ ان میں قربانی اور ایثار کا مادہ تھا۔ وہ اپنا وقت ضائع کرنے کی بجائے اسے مفید کاموں میں صَرف کرنے کے عادی تھے۔ ان میں دیانت تھی، ان میں صداقت تھی، ان میں محنت کی عادت تھی، ان کے حوصلے بلند تھے، ان کے ارادے پختہ تھے اوران کے مقابل پر جو لوگ کھڑے تھے وہ ان اوصاف سے خالی تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قلیل غالب آ گئے اور کثیر مغلوب ہو گئے۔

حقیقت یہ ہے ایک ایک آدمی جس میں ایثار کا مادہ ہوتا ہے وہ درجنوں پر بھاری ہوتا ہے۔ پاگل کو ہی دیکھ لو لوگ اُس کا مقابلہ کرنے سے گھبراتے ہیں۔ حالانکہ وہ اکیلا ہوتا ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ لوگ ڈرتے ہیں کہ اُنہیں چوٹ نہ آ جائے، ان کو زخم نہ لگ جائے اور وہ اپنی طاقت کو صرف ایک حد تک استعمال کرتے ہیں لیکن پاگل کے لئے چوٹ اور زخم بلکہ موت کا بھی کوئی سوال نہیں ہوتا۔ اِسی لئے وہ اپنی طاقت اُس حد تک استعمال کرتا ہے جس حد تک ایک سمجھدار انسان استعمال کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا اور وہ اکیلا ہونے کے باوجود دوسروں پر غالب آ جاتا ہے۔ اِسی طرح اگر ہمارے نوجوانوں میں قربانی اور ایثار کا مادہ ہو اور اگر دینی طور پر وہ مجنونانہ رنگ اپنے اندر رکھتے ہوں اور وہ اپنی محنت اور اپنی قربانی کو اُس حد تک پہنچا دیں کہ جس حد تک پہنچانے سے دوسرے لوگ گھبراتے ہوں تو پھر ہمارے ایک ایک آدمی کے مقابلہ میں اُن کے دس دس پندرہ پندرہ بلکہ بیس بیس آدمی بھی ہیچ ہو جائیں گے۔

غرض تعلیمی محکمہ آئندہ نسل کی اصلاح اور اُس کی درستی کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے اور ہمارے تمام سکولوں اور کالجوں کا فرض ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں اور نوجوانوں کی ایسے رنگ میں تربیت کریں کہ وہ سلسلہ کے لئے مفید وجود بن سکیں۔ وہ نسل جس میں قربانی اور ایثار کا مادہ نہیں جو جوش اور جنون سے خالی ہے وہ ہمارے آنے والے دس سال کو ضائع کر دیتی ہے اور یہ ہمارے لئے ایک بہت بڑے خوف کا مقام ہے۔ کیونکہ دس سال کے بعد پھر ہمیں ایک نئی جدوجہد کرنی پڑے گی۔ اور پھر ایک اَور نسل کی تربیت کر کے اُس کے اخلاق کو

اسلامی رنگ میں ڈھالنا پڑے گا۔ حالانکہ ہمارے سپرد جو کام کیا گیا ہے وہ اتنا عظیم الشان ہے کہ اُس کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایک دن کا ضائع ہونا بھی ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہونا چاہیے۔'' (الفضل یکم جون 1952ء)

1: ولاڈی واسٹک: (ولادی وستوک) بحرالکاہل میں روس کی سب سے بڑی بندرگاہ۔

2 :البقرۃ:250